رسائل و مسائل

چہرے کے بال نوچنا

سوال: اسلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک فطری دین ہے' انسانی فطرت کو ہمیشہ مدنظر رکھتا ہے۔ ظاہر ہے جس خدا نے انسان کو تخلیق کیا ہے وہی اس کی فطرت کو بہتر جاننے والا ہے۔ پھر یہ کیا وجہ ہے کہ ایک طرف فطرت کی اتنی اہمیت اور دوسری طرف فطرت کے اتنا خلاف۔ مثال کے طور پر عورت کی فطرت میں یہ شامل ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنوارتی ہے اور اپنی خوب صورتی کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ چہرے کے بال نکالنا بھی اپنے آپ کو سنوارنے کا ایک حصہ ہے (جو کہ آج کل بہت دیکھنے میں آتا ہے)۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عورت کو چہرے کے بال نکالنے سے منع فرمایا گیا ہے؟ صحیح بخاری میں تو یہاں تک ہے کہ اس عورت پہ لعنت بھیجی گئی ہے جو اپنے چہرے کے بال نوچتی ہے؟ نیز یہ کہ اگر چہرے کے بال نوچنا ممنوع ہے تو کیا بازوؤں اور ٹانگوں کی "waxing" کی اجازت ہے؟ کیا چہرے کے وہ بال بھی نکالنا ممنوع ہیں جن سے مرد کی شباہت ہوتی ہے' مثلاً کچھ عورتوں کی بھنویں گھنی ہوتی ہیں' مونچھوں کی جگہ یا ٹھوڑی پہ بال ہوتے ہیں۔

جواب: آپ کا خیال درست ہے کہ اسلام دین فطرت ہونے کی بنا پر ہر اس کام کو پسند کرتا ہے جو تخلیق فطرت کے مطابق ہو اور ہر اس عمل سے روکتا ہے جو فطرت انسانی کے خلاف ہو۔ آپ کی یہ بات بھی درست ہے کہ عورت کی فطرت ہے کہ وہ اپنی خوب صورتی میں اضافہ چاہتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر پہلی بات درست ہے تو ایک عورت کے لیے چہرے کے بال صاف کرنا ممنوع کیوں ہے؟ اور کیا اس پر قیاس کرتے ہوئے ٹانگوں کے بالوں کی waxing بھی منع ہو گی؟ مزید یہ کہ کیا عورتوں کے لیے مونچھوں اور ٹھوڑی کے بال صاف کرنا بھی منع ہے؟

پہلے تو یہ بات واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ فطرت ہے کیا؟ کیا فطرت ہر الٹی سیدھی خواہش کا نام ہے جو دل میں وسوسے کے طور پر آ جاتی ہو؟ یا فطرت سے مراد وہ سیدھا اور صالح طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان بلکہ ہر مخلوق میں ودیعت کر دیا ہے' اور انسان کو چھوڑتے ہوئے تمام مخلوقات اس فطرت کی

بالالتزام پیروی کرتی ہیں۔ اس بات کو قرآن کریم نے "سنت اللہ" سے بھی تعبیر سے کیا ہے۔ قرآن کریم نے "سنت اللہ" کی اصطلاح کو ۲۰ کے قریب مقامات پر استعمال کیا ہے۔ اس میں قابل غور مقام سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۶۲ ہے جس میں فرمایا گیا: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً ○ "اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے"۔ اس بات کو سورہ فاطر میں یوں فرمایا گیا: فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً ج (۳۵: ۴۳) اسی مضمون کو سورہ الفتح (۴۸:۲۳) اور بنی اسرائیل (۱۷:۷۷) میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ ان تمام مقامات پر یہ بات فرمائی گئی ہے کہ تم دیکھو کہ اللہ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوتی ہے۔ یعنی اس کے مقررہ اسوے، ضابطے، قوانین، فطری طریقے وہی ہیں جو ایک مرتبہ متعین کردیے گئے ہیں۔ سورہ الروم میں فطرت کے حوالے سے فرمایا گیا: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لاَ تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط (۳۰:۳۰) "قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی"۔ اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: "اللہ کی بنائی ہوئی ساخت تبدیل ہی نہ کی جائے"۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "بچہ جو کسی ماں کے پیٹ میں پیدا ہوتا ہے اصل انسانی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ ماں باپ ہیں جو اسے بعد میں عیسائی یا یہودی یا مجوسی بنا ڈالتے ہیں" (بخاری و مسلم)۔ گویا اگر انسان کو اس کی فطرت پر چھوڑ دیا جائے اور اس کے والدین، ماحول، روایات، رسوم اور توہمات اس پر کوئی اثر نہ ڈالیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرے گا اور فطری طور پر اچھائی کی طرف راغب ہو گا۔ گویا انسانی معاشرہ اور انفرادی زندگی میں خرابی پیدا ہونے کا اصل سبب اس صالح فطرت سے انحراف اور اس کے مطالبات کو نظرانداز کرتے ہوئے نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ فطرت کے بنائے ہوئے قوانین سے ہر انحراف، فطری ساخت کو بدلنے کی ہر کوشش انسان کے لیے نقصان دہ ہو گی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ناک سانس لینے اور منہ کھانا کھانے کے لیے بنایا ہے اور انسان منہ سے سانس لینے اور ناک سے کھانا کھانا چاہے تو چاہے وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے، یہ عمل اس کی صحت، بقا اور خود اعضا کی کارکردگی کے منافی ہو گا۔

اس تمہید کے بعد اب اصل سوال کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں تین سوالات بنیادی ہیں: اولاً، کیا حدیث شریف میں چہرے کے بالوں سے مراد محض بھنویں ہیں یا اس میں عموم پایا جاتا ہے؟ ثانیاً، کیا اس ممانعت کا اطلاق جسم کے دیگر حصوں پر بھی ہو گا؟ اور ثالثاً، کیا ایک خاتون کا ٹھوڑی یا مونچھوں کے بالوں کو صاف کرنا خلاف فطرت قرار دیا جا سکتا ہے؟

حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّامِصَةَ وَالْمُتَنَمِّصَةَ (ابوداود) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال نوچنے والی پر اور اس عورت پر جو کسی سے یہ خدمت

لے' لعنت فرمائی ہے"۔ اس مضمون کی حدیث بخاری اور مسلم میں بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

ابوداؤد نے اپنی سنن میں "نامصہ" کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بھنوؤں میں نقش و نگار بنا کر اسے باریک کر دیتی ہے۔ گویا اس کا اطلاق بھنوؤں کے علاوہ چہرے کے کسی اور حصہ پر نہیں ہو گا۔ جب کہ امام نوویؒ نے چہرے کے بال صاف کرنے کو "نمص" میں شامل کیا ہے۔

الفتاویٰ الھندیہ (ج ۴' ص ۴۱۳) میں امام ابو یوسفؒ کی یہ رائے درج ہے کہ لَا بَأْسَ بِاَخْذِ الْحَاجِبَيْنِ وَشَعْرِ وَجْهِهٖ مَالَا يَتَشَبَّهُ بِالْمُخَنَّثِ ' یعنی بھنوؤں اور چہرے کے بال اس طرح اکھاڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ مخنثوں سے مشابہت نہ ہو جائے۔

اس سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ بھنوؤں کے بال اس طرح تراشا' نوچنا یا انھیں اس طرح ترتیب دینا جیسے فاحشہ عورتیں کرتی ہوں' یا مخنث کرتے ہوں' حرام ہے۔ بظاہر سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاتون کو جس حسن و صورت کے ساتھ پیدا کیا ہے اس میں کسی کی بھاری بھنویں اور کسی کی باریک بھنویں چہرے کی مناسبت سے بنائی ہیں۔ صرف کمان دار بھنویں حسن کی ضمانت نہیں ہیں۔ جو شخص خالق کائنات کے ذوق جمال کے مقابلے میں اپنے ذوق جمال کی بنا پر اس کو تبدیل کرتا ہے' ممکن ہے وہ اس طرح اپنی شکل کو کسی مشہور فلم ایکٹریس یا رقاصہ (جو فاحشہ کی تعریف میں آئیں گی) کی شکل جیسا تو بنا لے لیکن کیا حسن صرف نقالی اور تصنع ہی کا نام ہے؟ یا فطری حسن اپنی سادگی اور کشش میں مصنوعی حسن سے زیادہ جاذب ہو سکتا ہے؟

دوسرا پہلو مشابہت کا ہے۔ چونکہ مخنث اپنی بھنوؤں کو تراش خراش کر خواتین کی سی خوب صورتی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے' اس لیے ان کی نقالی سے بچنا اس کا ایک سبب معلوم ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ "جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ ان ہی میں سے ہو گا" (ابوداود)۔

اس مسئلے پر غور کا ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آج جب unisex لباس' عطر' بالوں کی تراش وغیرہ کا رواج عام ہو گیا ہے' کیا یہ سمجھنا درست ہو گا کہ صرف مخنث ہی بھنوؤں کے بال نوچتے ہیں اور اس بنا پر ان کی مشابہت اختیار نہ کی جائے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات بھی ارشاد فرمائی ہے وہ قیامت تک کے لیے حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے بھنوؤں کے بال نوچنا بہرصورت ممنوع رہے گا۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا بھنوؤں کے حکم کا اطلاق پورے چہرے پر ہو گا؟ جیسا کہ عرض کیا

گیا ہے؟ ابوداؤد نے خود اپنی سنن میں "نمص" کے مفہوم کو واضح کر دیا ہے کہ اس میں چہرے کے بال صاف کرنا شامل نہیں ہے۔ ابوداؤد کی اس وضاحت کو دو مزید نکات سے تقویت ملتی ہے۔ طبرانی کی روایت ہے کہ ابو اسحاق کی بیوی نے جو جوان تھیں اور خوب صورتی کی شائق تھیں حضرت عائشہؓ سے پوچھا: عورت اپنے شوہر کے لیے اپنے رخسار کے بال صاف کر سکتی ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "اذیت کو ممکن حد تک دور کرو" (فتح الباری 'کتاب اللباس)۔ گویا جس طرح ایک شادی شدہ مومنہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایسا رکھے کہ اس کا شوہر اسے دیکھ کر خوش ہو جائے۔ اگر ایک خاتون کی ٹھوڑی یا مونچھوں کی جگہ رواں اتنا بھاری ہے جیسا مردوں کے ہوتا ہے تو اپنی نسوانیت برقرار رکھنے' اور مردوں کی مشابہت اختیار نہ کرنے کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے اسے ان بالوں کو صاف کرنا چاہیے۔ یہی مطالبہ فطرت ہے۔ اگر ایسا نہیں کرے گی اور اس کی ٹھوڑی میں تین تین انچ لمبے چار بال اور مونچھوں کی جگہ پر دبیز رواں ہو گا تو جب بھی اس کا شوہر اس کے قریب آئے گا تو یہ بات نہ شوہر کی خوشی کا باعث بنے گی اور نہ رشتے کی قربت میں مددگار ہو گی۔

صحابہ کرامؓ سے زیادہ تقویٰ' صالحیت اور دنیا سے عدم رغبت کسے ہو گی' لیکن جب ایک صحابیؓ ایک صحابیہؓ کو ایسے حال میں دیکھتے ہیں جیسے وہ بیوہ ہو گئی ہوں' تو پوچھتے ہیں کہ تم نے یہ شکل کیوں بنائی ہوئی ہے؟ وہ بتاتی ہیں کہ تمھارے بھائی کو نماز اور روزوں سے فرصت نہیں ملتی۔ یہ صحابیؓ ان کے شوہر کو پکڑ کر لاتے ہیں' ان کا نفلی روزہ افطار کراتے ہیں اور دونوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کا حق ادا کریں۔ گویا ایک مومنہ کا اپنے شوہر کے لیے چہرے کے بال صاف کرنا اس بندش میں قطعاً نہیں آتا جس کا ذکر بھنوؤں کی صفت میں آیا۔

جہاں تک سوال ایک خاتون کا بانہوں یا ٹانگ پر سے بالوں کو waxing سے صاف کرنا ہے' اس کا مقصد نہ تو ہر راہ گیر کو ٹانگ کھول کر یا بانہوں پر سے حجاب اتار کر اپنی خوب صورتی دکھانا ہے اور نہ ایسا کرنے کا مقصد خود کو مرد بنانا ہے۔ ظاہر ہے ایک مومنہ' جسے اپنے تمام جسم کو' سوائے چہرے اور ہاتھ کے' ڈھکنے کا حکم ہے' اگر وہ زیر لباس اپنی ٹانگوں یا بانہوں کے بال صاف کر کے مناسب لباس سے اسے چھپائے رہتی ہے' تو اس میں کون سے حکم شرعی کی خلاف ورزی ہوتی ہے؟ بلکہ اگر ایک خاتون اپنی ٹانگوں اور بانہوں پر مردوں جیسے گھنے بال خاص قسم کے روغنیات کی مدد سے اُگائے گی تو فطرت کی خلاف ورزی کرے گی۔ واللہ اعلم بالصواب (ڈاکٹر انیس احمد)۔

رشتے میں حسب نسب کا لحاظ

س: آپ نے لکھا ہے ("رسائل و مسائل" جون ۱۹۹۹) کہ شرط صرف یہ ہے کہ لڑکی ایسے لڑکے سے شادی کا مطالبہ نہ کرے جو اس سے خاندانی، دینی اور پیشے کے لحاظ سے کم تر حیثیت کا مالک ہو۔ اگر اسلام میں بھی ہندومت کی طرح ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز ہے تو پھر ہم ذات برادری کے چکر سے کیسے نکل سکتے ہیں؟ ایک موچی یا حجام کو جو محنت مزدوری کرتا ہے، کم تر کیوں سمجھا جائے؟ میرے خیال سے اگر لڑکے کی سیرت اچھی ہے، رزق کے ذرائع حلال ہیں، تو خاندان اور پیشے کی قید لگانا درست نہیں۔ ایک دینی رسالے میں اس طرح کی بات لوگوں کو دین سے دور کرتی ہے۔

ج: "کفو" کے مسئلے میں آپ نے جو لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اسلام میں فضیلت کا دارومدار ایمان اور علم و عمل ہے۔ حسب نسب اور پیشہ، فضیلت کے معیار نہیں ہیں۔ جن فقہا نے "کفو" کا لحاظ کیا ہے وہ اس حقیقت کو مانتے ہیں۔ انھیں اس سے اختلاف نہیں ہے اور اسی بنا پر تمام فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر ایک شخص مسلمان ہو تو کسی بھی حیثیت اور درجے کی خاتون کا اس سے نکاح جائز ہے۔ اگر لڑکی اور اس کے اولیا دونوں راضی ہوں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ فقہا نے "کفو" کے مسئلے کو اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت اور درجہ اور اسلامی حکومت میں کسی عہدے اور منصب کے لیے اس کے امتیاز کی وجہ سے نہیں بلکہ دنیوی فوائد اور نقصانات کے لحاظ سے تسلیم کیا ہے۔ اس لیے کہ مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ مرد اور عورت کا آپس میں نکاح ہو جائے بلکہ اسے باقی اور مستحکم رکھنے اور دونوں خاندانوں کے درمیان تعلقات کو استوار کرنے کا بھی ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے لوگ دینی حیثیت کے ساتھ دوسری حیثیتوں کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔ اسلام ان کو دینی حیثیت کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ دوسری حیثیتوں کو ملحوظ رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: اَلْمَرْاَۃُ تُنْکَحُ عَلٰی دِیْنِھَا وَمَالِھَا وَجَمَالِھَا فَعَلَیْکَ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ (ترمذی، کتاب النکاح)، عورت کے ساتھ نکاح اس کے دین، مال اور جمال کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ پس تم دین والی کو ترجیح دو۔

جس طرح ایک لڑکا، لڑکی کی مختلف خوبیوں کو پیش نظر رکھتا ہے، اس طرح لڑکی اور لڑکی کے اولیا بھی لڑکے کے اندر مختلف خوبیاں تلاش کرتے ہیں۔ دین داری کے ساتھ وہ ان خوبیوں کو پیش نظر رکھ کر رد و قبول کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب لڑکی نے ایک شخص کو پسند کر لیا در آں حالیکہ وہ دنیوی خوبیوں کے لحاظ سے اس کے مقابلے میں کمتر درجے کا تھا اور ورثا اس پر راضی نہ ہوئے تو پھر کس کی بات کا اعتبار ہو گا؟ اسی طرح اگر ورثا نے ایسے شخص کو پسند

کر لیا جو دنیوی وسائل کے لحاظ سے اس سے کم تر درجے کا تھا' لیکن لڑکی راضی نہیں ہے تو پھر کیا ہو گا؟ دونوں صورتوں کا حکم ایک ہے کہ پھر کسی ایسے شخص کو منتخب کیا جائے جس پر دونوں راضی بھی ہوں اور وہ لڑکی سے دنیوی درجہ میں کم تر بھی نہ ہو۔ اگر ایسی صورت پر اتفاق نہ ہو سکے تو پھر لڑکی کی رضا مقدم ہو گی بشرطیکہ لڑکا درجے میں اس سے کم تر نہ ہو۔ اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ لڑکی کو شوہر کے تابع ہو کر رہنا ہے اور تابع کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی پوزیشن میں ہو کہ متبوع کی اتباع کر سکے' اس کی طرف سے کوئی بھی رکاوٹ نہ ہو اور خاندان کی طرف سے بھی رکاوٹ نہ ہو۔ دنیوی' دینی اور اخلاقی لحاظ سے درجات کا فقہا نے جو اعتبار کیا ہے اس پر شروع دن سے تعامل ہے۔ دینی اور اخلاقی حیثیت کے ساتھ پیشے کی حیثیت کو اس حد تک شریعت نے ملحوظ رکھا ہے کہ اگر لڑکی ان حیثیتوں میں لڑکے سے فائق ہو تو پھر مشورے اور اتفاق سے نکاح ہو' اس کے بغیر لڑکی نکاح نہ کر سکے۔ اس میں لڑکی' لڑکے اور دونوں خاندانوں کا فائدہ ہے اور نکاح کے رشتے کے دوام اور استحکام کا موجب ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے دنیوی سہولتوں میں فرق پڑتا ہے۔ ایک حجام و دھوبی اور صفائی کے پیشے سے تعلق رکھنے والے شخص کو اٹھنے بیٹھنے اور رہن سہن کی وہ سہولتیں حاصل نہیں ہوتیں جو ایک علمی گھرانے کی چشم و چراغ لڑکی کو حاصل ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر نکاح ہو گیا تو کتنی دیر تک گزارہ ہو سکے گا؟ لڑکی کے رشتے دار کتنے عرصے تک تعلقات قائم رکھ سکیں گے؟ اس کے مقابلے میں اگر باہمی مشورے اور رضامندی سے ایسا ہو تو پھر امید پیدا ہو جاتی ہے کہ رشتہ مستحکم رہے گا اور لڑکی اور اس کے اولیا مشکلات برداشت کرنے کے لیے تیار رہیں گے۔ اس لیے ہمیشہ دین دار لوگ بھی اپنی لڑکی کے لیے رشتہ دیکھتے وقت دینی حیثیت کے ساتھ دوسری سہولتوں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ دوسری سہولتوں کو پیش نظر رکھنا دین کے منافی نہیں ہے کیونکہ دین اس کی اجازت دیتا ہے۔ دین تو صرف اس بات کی مخالفت کرتا ہے کہ دین کو نظرانداز کر کے محض دنیوی حیثیتوں کی بنا پر رشتے کیے جائیں یا دنیوی حیثیتوں کو فضیلت' مقام و مرتبے کا معیار سمجھا جائے (مولانا عبدالمالک)۔

اہم گزارش: اس رسالے میں اشتہار دینے والے اداروں یا افراد سے معاملات کی کوئی ذمہ داری ماہنامہ ترجمان القرآن کی انتظامیہ کی نہیں ہے۔ قارئین اپنی ذمہ داری پر معاملات کریں۔ (ادارہ)